# خلاصۂ بحث

گزشتہ ابواب میں اقبال اور تصوف (وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی روشنی میں) پر ایک تحقیقی بحث ہوئی، جس کو اگلی سطور میں پایۂ تکمیل تک پہنچانا ضروری بنتا ہے۔ ظاہر ہے کہ تصوف کوئی غیر اسلامی نظریہ نہیں، اگرچہ یہ لفظ قرآن اور احادیث میں وارد نہیں ہوا ہے، تاہم صوفیاء اور مشائخ نے اس لفظ کو جن معنوں میں استعمال کیا ہے اس کے ڈانڈے تزکیۂ نفس تعلق باللہ اور مرتبۂ احسان سے جا ملتے ہیں۔ صوفیاء اپنی زندگیوں میں قرآن اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درخشاں نمونے تھے۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے ایک نہایت ہی بلیغ جملے میں تصوف اور اس کی ضرورت کو یوں واضح کیا ہے۔

"تصوف کی حقیقت خدا تعالیٰ سے تعلق بڑھانا ہے۔ اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ ہمت کا مقتضا تو یہ ہے کہ صاحب ذوق بنو، اگر اتنی ہمت نہ ہو تو خدا کے لئے انکار تو نہ کرو۔"[1]

تصوف و سلوک کے نظریے نے گزشتہ ادوار میں ان لوگوں کو پیدا کیا، جو حقیقی معنوں میں انسانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے جو اپنی زندگیوں کا مقصد اور منتہا

---

1 شریعت اور طریقت ص ۴۸ از افادات مولانا اشرف علی تھانوی — ناشر — مرکزی ادارہ تبلیغ دینیات قرآن گھر جامع مسجد دہلی

خدا کی رضا ، بندگان خدا کے ساتھ وفا اور آخرت کی فلاح و صلاح سمجھتے تھے ۔ انہوں نے تصوف و طریقت کی راہ اپنا کر اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ خدا کی رضا جوئی میں گزر بسر کیا ۔ ان کے دل رعونت اور رنجش سے پاک و صاف ہوا کرتے تھے ۔ وہ ہر حال میں خدا کے شکرگزار بندے بنکر زندہ رہنا پسند کرتے تھے ۔ تصوف نے ان کے اندر انفرادی سطح پر اور اجتماعی طور پر ایسے اوصاف پیدا کئے ، کہ وہ ایک دوسرے کے مخلص ، خیرخواہ اور ہمدرد بنے ۔ چنانچہ صوفیاء کی تاریخ بتا رہی ہے کہ ان کے پاکیزہ اعمال و افعال ، مومنانہ اوصاف اور متقیانہ خصائل کی وجہ سے بے تعداد لوگ ان کے زمرے میں آکر ایمان و یقین کی دولت سے سرفراز ہوگئے ۔ خواجہ معین الدین چشتی ہوں ، خواجہ بختیار کاکی ہوں ، خواجہ نظام الدین دہلوی ہوں ، شیخ علی ہجویری ہوں ، یا ہمارے یہاں کشمیر کے شیخ حمزہ مخدوم ، شیخ نورالدین نورانی ، سید حسن منطقی ، یا بابا نصیب الدین غازی رحمہم اللہ ان تمام صوفیا و اولیاء کی حیات اس بات کی نمائندگی کرتی ہے کہ انہوں نے تعمیر سیرت کا فریضہ اور تزکیۂ نفس کا اہم ترین کام بغیر کسی لومۃ لائم کی رعایت کے انجام دیا ۔ صوفیاء نے مادیت اور طاغوت کی اقدار کو پامال اور مسمار کرنے اور ان کی جگہ روحانیت اور خدا خوفی کے صفات اور جذبات دلوں کے اندر متحرک کردئیے ، اور یہی وہ کارنامہ ہے جو صوفیاء کرام کی زندگیوں میں ہمیشہ درخشندہ اور پائندہ رہے گا ۔

اقبال صوفیاء عظام کے ساتھ گہری عقیدت رکھتے تھے ۔ انہوں نے تصوف کے فلسفے اور نظریات سے متاثر ماحول میں آنکھ کھولی تھی ، وہ سلسلہ قادریہ میں بیعت بھی

رکھتے تھے چنانچہ جب اقبال اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کےلئے یورپ تشریف لے گئے تو آپ نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے آستانے پر حاضری دی اور "التجائے مسافر" (بہ درگاہ حضرت محبوب الٰہی، دہلی) کے عنوان کے تحت ایک نظم قلمبند کی جس کے چند اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں:

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تری، فیض عام ہے تیرا
ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
نظام مہر کی صورت نظام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبت میں رنگ محبوبی
بڑی ہے شان، بڑا احترام ہے تیرا
اگر سیاہ دلم، داغ لالہ زار توام
وگر کشادہ جبینم، گل بہار توام
چمن کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثل نکہت گل
ہوا ہے صبر کا منظور امتحان مجھکو
چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے
شراب علم کی لذت کشاں کشاں مجھکو
نظر ہے ابر کرم پر درخت صحرا ہوں
کیا خدا نے نہ محتاج باغباں مجھکو

فلک نشیں صفت مہر ہوں زمانے میں
تری دعا سے عطا ہو وہ نردباں مجھکو
مقام ہم سفروں سے ہو اسقدر آگے
کہ سمجھے منزل مقصود کارواں مجھکو [1]

اس نظم سے اور اسی قبیل کی کئی اور نظموں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اقبال تصوف، صوفیاء، اولیاء اور ان کے قائم کردہ سلسلوں کے مخالف نہیں تھے بلکہ ان سلسلوں سے فیضان حاصل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، مگر اقبال اس وقت تصوف کے مخالف ہوجاتے ہیں جب تصوف انہی کے الفاظ میں فلسفہ بننے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اس وقت بغاوت کرنے پر اتر آتے ہیں۔ وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ فلسفے نے بہت پہلے مسلمانوں کی تباہی اور بربادی میں اہم رول ادا کیا ہے، اور اس ہلاکت آفریں شئے کو ایک بار دوسرے رنگ و روپ میں قبول کرنا ملت کےلئے مناسب نہیں۔ اقبال نے اس تصوف پر شدید حملے کئے جو مسلمانوں کو بیدار کرنے کے بجائے سلادے، انہوں نے اس شعر و سخن کو بھی آڑے ہاتھوں لے لیا، جس کی وجہ سے زندگی کی حرکت اور حرارت منجمد اور معطل ہو۔ اقبال تصوف کے حامی تھے، مگر اس تصوف کے جو فرد اور جماعت کے اندر احساس نفس، عرفان ذات، عرفان کائنات اور مقصد حیات کو ابھارے اور اجاگر کرے۔ انہیں اپنے زمانے میں ایسے صوفی نظر آتے تھے، جو تصوف کے اعلیٰ مقاصد کو بھول چکے تھے، صرف تصوف کے رسمی پہلوؤں پر زور دیتے اور اسی کو

1 کلیات اقبال — ص ۵۷ — اقبال اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی۔

غرض و غایت جانتے تھے ۔ ان کے خیال میں صوفی تو موجود ہے لیکن اس کے اندر روشن ضمیری کی جو صفت ہوا کرتی تھی ، وہ باقی نہ رہی ۔ اقبال نے صوفی کے لئے روشن ضمیر ہونا ضروری قرار دیا ہے ۔ چنانچہ یہ لفظ اپنے اندر معانی اور مفاہیم کی ایک وسیع دنیا سمیٹے ہوئی ہے ۔ اقبال ایک دوسرے موقعے پر مسلمانوں سے مخاطب ہوکر کہتے ہیں کہ جب تک تمہارے ضمیر پر قرآن مجید نازل نہیں ہوتا ہے تب تک فخرالدین رازی اور جاراللہ زمخشری کی تفاسیر کچھ کام نہیں آسکتیں ۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

سید اشفاق حسین نے اقبال کی شاعری کا مستقبل متعین کرتے ہوئے چند کارآمد باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں :

"اقبال کے یہاں انسانیت کی نجات روحانیت اور مادیت کے توازن ہی میں مضمر ہے ۔ مشرقی تہذیب اور مغربی تہذیب کی انتہا پسندیوں نے انسان کو دکھی اور لاچار بنادیا ہے ۔ مشرقی تہذیب ایک ایسے نظام معاشرت میں زندگی بسر کرتی رہی ہے ، جس نے انسانوں کو درجہ بندیوں میں بانٹ دیا تھا ، اور اس زندگی کا جو حشر ہوا ، وہ یہی تھا کہ دین اور دنیا الگ ہوگئے ، مذہب کی طرف یہ قرار پائی کہ وہ دنیا کے معاملات میں دخل نہ دے ، اور اگر دخل دے بھی تو اس وقت جب دنیاداری کے سر پر بیٹھنے والوں کے مفادات خطرے میں پڑ جائیں ۔ ادھر مغرب نے مشرق کی اس روحانیت اور بے عملی سے سبق حاصل کرکے حرکت و حیات کو زندگی کی قدر بنانا اور

انسانی طاقت فطرت کی قوتوں کو زیر کرنے کے لئے وقف ہو گئی ۔ مغرب کی مادیت روحانیت کی نفی کر کے ان منزلوں پر پہنچ چکی ہے ، جہاں زندگی اپنا توازن کھو بیٹھتی ہے ۔ اس تہذیب نے بھی انسانوں میں تفریق پیدا کر کے مشرق سے زیادہ انسانیت پر ظلم ڈھائے ۔[1]

اقبال ہر معاملے میں توازن ، تناسب اور توافق کے قائل ہیں ۔ انہوں نے جب یہ محسوس کیا کہ موجودہ دور کے صوفیا غلط افکار کو عام کر رہے ہیں ، عشق و محبت کی غیر دانشمندانہ تعبیریں کرتے ہیں ، تو انہوں نے ان صوفیاء کو للکارا ۔ ان کی کج فہمیوں کا پردہ چاک کیا ۔ اور پکارا تھے کہ عشق کیا ہے ؟

صدق خلیلؑ بھی ہے عشق ، صبر حسینؓ بھی ہے عشق

معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

اقبال حرکت و حرارت کا شاعر ہے ، اسے کشمکش میں زندگی کی لذّت و راحت محسوس ہوتی ہے ۔ وہ مجاہدانہ زندگی کو پسند کرتے ہیں اور وہ لوگ جو گوشہ گیری ، تنہائی اور میدان عمل سے کنارہ کشی کی تعلیم دیتے ہیں ، انہیں ملّت کے بدترین دشمن گردانتے ہیں ۔ وہ اپنے دین کی مصلحت و حکمت جنگ و شکوہ اور جناب عشقؓ کے دین کی مصلحت غار و کوہ قرار دیتے ہیں ۔ ان کا خیال ہے کہ "فقیران" یعنی مجاہد ین جب مسجدوں میں صف آرا ہو جاتے تھے تو اس صف آرائی کی بدولت بادشاہوں کے گریبان پکڑ لیتے تھے ۔ ان کے درباروں میں اللہ اکبر کے نعروں سے کہرام برپا کر دیتے تھے ۔

---

1 مقام اقبال ـ ص 202 ـ سید اشفاق حسین ـ ادارۂ اشاعت اردو کراچی پاکستان

لیکن جب عشق، ایمان، جہاد فی سبیل اللہ اور جذبۂ ایثار و قربانی کی آگ بجھ گئی تب سے مسلمان درگاہوں اور آستانوں کے مجاور بن کر رہ گئے۔ اقبال نے اپنے بے مثال اور لازوال کلام کے ذریعے حقیقت میں مسیحائی کا کام کیا اور وہ لوگ جو سوئے ہوئے تھے ان کے دلوں میں بیداری کی چنگاری بھڑکا دی۔

دیا اقبال نے ہندی مسلمانوں کو سوز اپنا
وہ اک مرد تن آساں تھا تن آسانوں کے کام آیا